تخلیقِ انسان

تحریر و ترتیب

حافظ محمد زمان خان چشتی سیالوی

بزمِ عشاق

جامع مسجد عمر رضی اللہ عنہ

نیو پٹھان والا، جھنگ روڈ، فیصل آباد موبائل نمبر: 55 17 666 0300

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم

اما بعد

فاعوذبالله من الشیطن الرجیم

بسم الله الرحمن الرحیم

انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوما

محبت سے درود وسلام

الصلوۃ والسلام علیک یارسول الله

وعلیٰ الک واصحابک یا حبیب الله

محترم سامعین کرام! تلاوت کی گئی آیت مبارکہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ ''بیشک ہم نے پیش کیا امانت کو آسمانوں پر زمینوں پر اور پہاڑوں پر تو ان سب نے اس امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور یہ سب اس سے ڈر گئے اور اٹھایا اس امانت کو انسان نے بیشک وہ بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا''۔

یہ آیت کریمہ جس میں ایک امانت آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کرنے کا اور ان کے انکار کرنے اور اس امانت سے گریز کا ذکر ہے اور انسان کا اس بار امانت کو اٹھانا اور پھر اس کے اٹھانے پر اللہ تعالیٰ کا ظلوما ''جھولا'' فرمانا مذکور ہے' نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس پر میں کچھ کلام کرتا ہوں' سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ امانت سے کیا مراد ہے؟ بعض علماء کا قول ہے کہ امانت سے مراد ہے احکام تکلیفیہ اور کچھ نے کہا احکام تشریعیہ' دونوں کا مفاد ایک ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ امانت سے مراد ہے عقل' باقی تمام اقوال انہی قولوں کی طرف راجع ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ احکام تکلیفیہ کی امانت بھی اسی وقت پیش کی جاسکتی ہے جب کسی میں عقل پائی جائے اور اگر کسی شخص میں عقل نہیں پائی جاتی تو اس پر کوئی حکم شرعی پیش کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آپکو معلوم ہے کہ احکام شرعیہ کا مکلف کوئی شخص اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک وہ عاقل نہ ہو۔ اگر کوئی شخص عاقل نہیں ہے' فاتر العقل ہے' ذاہب العقل اور عدیم العقل ہے تو وہ احکام شریعہ کا مکلف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مجنون ہیں وہ احکام شریعہ کے مکلف نہیں ہیں۔ اسی طرح ایسی تمام مخلوق جو عقل سے بالکل فارغ ہے اس کا بھی احکام شریعہ سے کوئی تعلق نہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل کے بغیر کسی حکم شرعی پر عمل درآمد اور اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا ''اللہ تعالیٰ کسی جان کو مکلف نہیں فرماتا لیکن اس کی طاقت کے مطابق''۔ اگر عقل نہ ہو تو یوں سمجھئے کہ وسع (استطاعت) نہیں ہے۔ اس لئے احکام تشریعیہ اور احکام تکلیفیہ کا رجوع بھی عقل کی طرف ہے اور ان کا مدار بھی عقل ہی ہے کہ اگر عقل نہ ہو تو احکام تشریعیہ کی تکلیف کے بھی کوئی معنی نہیں ہیں۔ لہذا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جب تک عقل نہ ہو اس وقت کسی احکام تشریعیہ کی تکلیف ممکن نہیں ہے۔ معلوم ہوا احکام تشریعیہ کی تکلیف بھی عقل کی طرف راجع ہوگئی۔

اب اگر میں یہ کہوں کہ امانت سے مراد میں عقل لیتا ہوں تو یہ اس پہلے قول کے خلاف نہ ہوگا۔ باقی اقوال ان دو قولوں کی طرف ہی راجع ہیں۔ چنانچہ جب امانت سے مراد ہم نے عقل لی تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فرمانا' انا عرضنا الامانة علی السموات والارض کہ ''ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں پر پیش کیا''۔ اس کا مفہوم ہوگا عقل کی بنیاد احکام تشریعہ کی تکلیف کو پیش کیا۔ وہ تکلیف عقل پر مبنی تھی کیونکہ عقل ہی مدار ہے احکام تشریعیہ

اور احکام تکلیفیہ کے لئے اور اسی مدار احکام تکلیفیہ وتشریعیہ عقل کو پہاڑوں پر پیش کیا۔ فابین ان یحملنھا ''تو سب نے انکار کردیا کہ اس کو اٹھائیں''۔ واشفقن منھا ''اور یہ سب اس سے ڈر گئے''۔ وحملنھا الانسان ''اور انسان نے اس کو اٹھالیا''۔ انہ کان ظلوما جھولا ''اور بیشک وہ بڑا ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا''۔

محترم سامعین کرام! جب امانت کے معنی عقل کی طرف راجع ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اسی عقل کو احکام تکلیفیہ کی بنیاد قرار دیا تو بلاشبہ وہ امانت جس کو ہم نے عقل سے تعبیر کیا ہے اور جس کو ہم نے احکام تشریعیہ تکلیفیہ کا معیار قرار دیا ہے، واقعی وہ ایک بہت عظیم چیز ہے اور اس کی عظمت اس بات کی متقضی ہے کہ اسے جو اٹھائے وہ بھی عظیم قرار پائے۔ آسمانوں نے اس کو نہ اٹھایا' زمینوں نے نہ اٹھایا' پہاڑوں نے نہ اٹھایا اور انسان نے اس کو اٹھالیا تو ایسی چیز کو اٹھالیا جسے نہ آسمان اٹھائیں' نہ زمینیں' نہ پہاڑ۔ تو یہ ایک بہت بڑا عظیم کارنامہ تھا۔ اس عظیم کارنامے کی بناء پر تو انسان قابل تعریف قرار پاتا ہے' قابل ستائش قرار پاتا ہے لیکن بجائے اس کے کہ اس کو قابل ستائش یا قابل تعریف قرار دیا جاتا یہ ارشاد فرمایا کہ انہ کان ظلوما جھولا۔

اس سلسلے میں بھی کئی اقوال ہیں مگر میں ان میں بھی ایک قول فیصل کو اختیار کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ انہ کان ظلوما جھولا درحقیقت ایک ایسا جملہ ہے جو محل تعلیل میں واقع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں نے اس امانت کو نہ اٹھایا اور انسان نے اٹھالیا۔ تو یوں کہیے اس امانت کا پیش کرنا اور اس کے پیش ہونے کے بعد پھر اس کا اٹھانا' ان سب کی علت یہ تھی کہ انسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے بڑا ظالم اور بڑا جاہل تھا۔ اس کا ظلوما اور جھولا ہونا اس کے طبعی تقاضوں کے مطابق تھا۔ جبکہ ارادہ الٰہیہ یہ تھا کہ ہم اس کو اکرم خلق بنائیں اور اپنی کل مخلوق میں اس کو احسن المخلوقین قرار دیں۔ چونکہ انسانی طبیعت کا تقاضہ ظلوم اور جھول ہونے کا تھا اور ارادہ الٰہیہ تھا اس کے احسن المخلوقین بنانے کا تو گویا اللہ قادر وکریم نے ارشاد فرمایا ''ہم نے اس پر امانت کو پیش کردیا اور انسان نے اسے اٹھالیا'' اس کی وجہ اور علت طبعی طور پر اس کا ظلوم اور جھول ہونا تھی۔

چنانچہ جب امانت الٰہیہ اس کو عطا کردی گئی تو اب وہ ظلوم وجھول باقی نہ رہا۔ مطلب یہ ہے کہ اس امانت الٰہیہ کے اٹھانے کے بعد اب اس کا وہ ظلم' عدل سے بدل گیا اور وہ جہل' ظلم میں تبدیل ہو گیا۔ لیکن یہ بات آپ نہ سمجھے ہوں گے کہ اس کی طبیعت کا تقاضا تھا کہ وہ ظلوم وجھول ہو۔ تو میں اس کی ذرا سی وضاحت کردوں۔ بات یہ ہے کہ جب ہم انسان کی جسمانی خلقت پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو قرآن پاک کی یہ آیات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ' ثم جعلناہ نطفة فی قرار مکین (پارہ۱۸) ارشاد ہوتا ہے بیشک ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا اس کے بعد ہم نے اس کو نطفہ قرار دیا جو ماں کے پیٹ میں ٹھہرا۔ پھر ہم نے اس نطفے کو علقہ کی شکل عطا فرمائی (خون بستہ۔ خون کی جھلک) پھر وہ خون بستہ گوشت کی بوٹی کی شکل اختیار کر گیا جس کو مضغہ کہتے ہیں۔ ہم نے نطفے کو علقہ بنایا علقہ کو مضغہ بنایا اور اس کے بعد ہم نے اس میں ہڈیوں کو پیدا کیا اور ہڈیوں پر گوشت کو پہنا دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کی بنا تھی۔ سلالة من طین مٹی کا ''ست''۔ تو آپ جانتے ہیں کہ مٹی کے اندر کثافت تو ضرور ہے مگر نجاست نہیں ہے' تو باوجود نجاست نہ ہونے کے ایک قبح اس کے اندر یہ ہے کہ کثافت ہے تو جب وہ مٹی کا جوہر نطفے کی شکل میں آیا تو وہ جو صفت قبیحہ تھی وہ اپنے مقام پر باقی ہے۔ لیکن وہ جو ایک طہارت تھی وہ ختم ہو گئی اب وہ نطفے کی شکل میں آنے کے بعد کثیف بھی ہے اور نجس بھی ہے تو جب اس نے اپنے ایک منزل کو طے کیا تو قبح کی ایک صفت بڑھ گئی تو اس کے بعد پھر جب نطفے سے علقہ بنا تو اگرچہ نطفہ کثیف بھی ہے اور نجس بھی ہے لیکن اس کے اندر غلظت (گاڑھا پن) نہیں ہے' غلیظ ہونے کی صفت نہیں ہے' تو

جو وہ نطفہ علقے کی صورت میں آیا تو اب وہ غلاظت جو اس کے اندر پہلے نہ تھی ایک اور بری صفت پیدا ہو گئی۔ وہ کثافت اپنے مقام پر رہی' وہ جناست بھی اپنی جگہ رہی لیکن غلاظت ایک اور صفت قبیحہ اس میں آ گئی۔ علقہ اگرچہ کثیف بھی اور نجس بھی ہے' غلیظ بھی ہے لیکن اس کے اندر باوجود کثافت اور نجاست کے اور باوجود غلاظت کے اس کے اندر ثقالت نہیں۔ یا یوں کہئے اس کے اندر شدت اور سختی نہیں تھی۔ علقہ باوجود اس کے کہ کثیف بھی ہے' نجس بھی ہے' غلیظ بھی ہے لیکن اس کے اندر سختی نہیں' وہ نرم ہے اور جب وہ علقہ' مضغہ کی شکل میں آیا تو کثافت بھی اپنی جگہ نجاست بھی اپنی جگہ رہی غلاظت بھی انی جگہ رہی۔ مگر شدت اور سختی کی ایک صفت قبیحہ اور بڑھ گئی۔ جب وہ مضغہ سے آگے بڑھا کہ اس کے اندر وخلقنا المضغة عظاما' ہم نے اس مضغہ کو ہڈیوں کی شکل میں پیدا کیا''۔ تو اب جتنی سختی اس گوشت کی بوٹی میں تھی اس سے زیادہ شدت در شدت اس کے عظام کے اندر پیدا ہو گئی اور ایک شدت در شدت کی صفت قبیحہ اور اس کے اندر بڑھ گئی' لیکن اس کے باوجود ہڈی جو ہے وہ خفیف ہوتی ہے۔ اس میں خفت ہوتی ہے۔ آگے فرمایا فکسونا العظام لحما ''تو ہڈی پر ہم نے گوشت کو پہنا دیا'' تو اب جو وہ خفت تھی وہ ثقالت میں بدل گئی۔ تو ثقالت ایک صفت قبیحہ شدت در شدت ایک اور صفت قبیحہ پھر غلاظت صفت قبیحہ' کثافت یہ صفت قبیحہ اور نجاست یہ بھی صفت قبیحہ' تو نتیجہ یہ نکلا کہ جب وہ اپنی خلقت کی منازل کو طے کرتا گیا تو یہ صفات قبیحہ میں آگے بڑھتا گیا اور اس کی قبیحہ صفات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی جو ترکیب تھی کہ وہ مٹی سے نطفہ' نطفہ سے علقہ' علقہ سے مضغہ' پھر مضغہ سے عظام' عظام سے پھر فکسونا العظام لحما کی منزل پر آیا تو اب اس کی طبیعت میں جتنی بھی چیزیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ خواہ وہ کثافت کے اجزاء تھے یا نجاست کے غلاظت کے تھے یا شدت کے' وہ شدت در شدت تھی یا ثقالت سب کی جو ہیت ترکیبیہ بنی اس کا نتیجہ مزاج کی شکل میں دو صورتوں میں برآمد ہو گا۔ وہ کیا کہ ظلم ہو اور جہالت ہو' جی ہاں۔ ظلم ہو اور جہالت ہو۔ کیوں؟ اس لئے کہ غلاظت' شدت اور ثقالت' یہ تمام چیزیں ان کا نتیجہ ظلم کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ علم جو ہے وہ ان تمام صفات سے بالاتر ہے اور یہ چیزیں جہل سے متعلق ہیں کیونکہ جہل کے اندر تاریکی ہے اور علم کے اندر روشنی ہے اور ان تمام چیزوں کے اندر ظلمت بڑھ رہی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ عدل کے اندر نہایت ہی راحت ہے اور اس کے اندر نہایت ہی محبت اور انس کی کیفیت پائی جاتی ہے اور یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں نفرت کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ تو پتہ چلا کہ انسان کی فطرت جسمانیہ اور خلقت بدنیہ اس امر کی مقتضی ہے کہ اس میں ظلم اور جہل بڑھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ظلم انتہا کو پہنچتا ہے تو طبیعت (درندگی اور بے رحمی) منتہاء کو پہنچ جاتی ہے اور جب اس کا جہل انتہا کو پہنچتا ہے تو اس کی حیوانیت اور اس کی نادانی اور جہالت منتہاء کو پہنچ جاتی ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ ظلم و جہالت میں سوائے تاریکی اور ظلمت کے کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ تو انسان کی فطرت اور طبیعت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے اندر ظلم ہو اور اس کی طبیعت ہی کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے اندر جہل ہو لیکن ارادہ الٰہیہ یہ تھا ثم انشاناہ خلقا آخر ''پھر ہم نے اس کو ایک دوسری مخلوق بنایا''۔ فتبارك الله احسن الخالقين ''اور وہ دوسری مخلوق کیا ہے وہ روح انسانی ہے'' اور روح انسانی وہ ہے جو عقل کی حامل ہے۔ ہم نے اس کے اندر ایک دوسری مخلوق کو بنایا۔ یعنی اس جسم کے اندر ہم نے روح ڈال دی اور وہ روح وہ ہے جو جوہر عقل سے مزین ہے کیونکہ اس روح انسان کو نفس ناطقہ بھی کہتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ نفس ناطقہ کے معنی کیا ہیں؟ ناطقہ کے معنی لوگ سمجھتے ہیں بولنے والا۔ اس لئے کہ یہ نطق سے ماخوذ ہے لیکن یہ نطق جو ہے' اس کو بولنے کے معنے کے لئے ہم مجازاً استعمال کرتے ہیں۔ حقیقتاً نطق کے معنی ہیں ادراک کلیات اور جزئیات کا' یعنی کلیات اور جزئیات کا جو ادراک ہے وہ ہے نطق اور پھر اس ادراک کے ساتھ کلام کرنا یہ نطق

ہے۔اگر وہ نطق ایسا ہو کہ محض آواز ہو تو آواز تو حیوان سے بھی نکلتی ہے اور ہر حیوان کی آواز مختلف قسم کی ہوتی ہے تو وہ نطق نہیں ہے کیونکہ اس میں کلیات جزئیات کے ادراک کا کوئی پہلو نہیں پایا جاتا اور انسان جو بولتا ہے اس میں کلیات جزئیات کے ادراک کا پہلو موجود ہے لہذا انسان کو ناطق کہتے ہیں اور انسان کے اس ادراک کلیات و جزئیات کو ہم خلق سے تعبیر کرتے ہیں۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ادراک کلیات جزئیات بغیر عقل کے ممکن نہیں۔اس لئے انسان کی روح کو نفس ناطقہ سے تعبیر کیا جاتا۔اس کا جوہر' جوہر عقل ہے تو پتہ چلا کہ اللہ قادر و کریم نے جب اس کو عقل عطا فرمائی تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ جہل کو علم سے بدل دے اور ظلم کو عدل سے بدل دے کیونکہ اگر عقل بھی جہل کے ساتھ مدغم ہو جائے اور عقل بھی ظلم کے اندر چھپ کر ظلم کے اندر مستلک ہو جائے تو پھر اس کا کوئی مفاد نہ ہوا۔اس لئے عقل ایسی چیز ہے کہ وہ ظلم کو اپنے معیار پر لے آتی ہے اور جہل کو اپنے معیار پر لے آتی ہے اور ظلم کو عدل بنا دیتی ہے اور جہل کو علم بنا دیتی ہے اور اس کے اندر ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو پہلی کیفیت سے بالکل منقلب اور مختلف ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیونکہ انسان اپنی جسمانی اور طبعی خلقت کی بنیاد پر ظلم اور جہل کا حامل تھا تو ہم نے اسے امانت عقل کا حامل بنا دیا تا کہ اس کا ظلم عدل ہو جائے اور جہل علم ہو جائے اور اس کے بارے میں ارادہ الٰہیہ پورا ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ''بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں بنایا'' اور فتبارك الله احسن الخالقين ''تو بڑی برکت والا ہے اللہ جو بہتر بنانے والا ہے'' یہ ارادہ الٰہیہ جو ہے وہ غالب ہو جائے کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کا ارادہ سب ارادوں پر غالب ہوتا ہے اور اللہ کا ارادہ کسی سے مغلوب نہیں ہوا کرتا تو اب جو یہ فرمایا کہ انه كان ظلوما جهولا یہ جملہ محل تعلیل میں واقع ہے گویا یوں کہئے لانه كان ظلوما جهولا ہم نے انسان کو عقل کا حامل اس لئے بنایا کیونکہ وہ اپنی طبیعت اور اپنی خلقت جسمانی کے تقاضے کے مطابق ظلوم و جهول تھا اور کہ ہم نے اس کو احسن مخلوقین بنائیں لہذا ہم نے اسے امانت عقل کا حامل بنا دیا۔ اب آپ کے سامنے عقل کے بارے میں شرعی نقطہ نظر سے تھوڑا سا کلام کرتا ہوں۔اس لئے کہ ہم نے کہا امانت سے عقل مراد ہے اور وہی احکام تکلیفیہ شرعیہ کا مدار ہے لہذا میں دونوں کو ایک ساتھ رکھ رہا ہوں۔جدا نہیں کر رہا۔آیئے اس اعتبار سے شریعت مطہرہ کی روشنی میں اس عقل کے معنی پر کچھ غور کرتے چلیں۔تو مجھے وہ احادیث یاد آتی ہیں جن میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور حضرت علامہ عبدالعزیز صاحب پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ جو صاحب نبراس ہیں اور شرح عقائد کے شارح ہیں' انہوں نے نبراس میں بھی ان حدیثوں کو نقل کیا ہے اور بھی محدثین اور علماء نے ان حدیثوں کو نقل کیا۔میری نظر میں یہ وہ بزرگ اہل علم جو قابل اعتماد تھے میں نے ان کا نام لے دیا ہے تو نیز اس میں جو حدیثیں انہوں نے نقل فرمائیں ان میں یہ حدیث شریف ہے لہ اول ماخلق الله العقل ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا'' اور ایک حدیث میں یہ ہے اول ماخلق الله العرش ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا''۔ایک اور حدیث میں آیا ہے اول ماخلق الله اللوح ''سب سے پہلے اللہ نے لوح کو پیدا کیا''۔ایک حدیث میں آیا ہے اول ما خلق الله القلم ''سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا''۔ایک اور حدیث میں آیا اول ما خلق الله الروح ''سب سے پہلے اللہ نے روح کو پیدا کیا'' اور ایک حدیث میں آتا ہے اول ماخلق الله نوری ''سب سے پہلے اللہ نے میرے نور کو پیدا فرمایا''۔

تو اب یہ کتنی چیزیں ہو گئیں۔سب سے پہلے محبوب کریم ﷺ کا نور پیدا ہوا۔ایک اور حدیث میں ہے ''سب سے پہلے اللہ نے روح کو پیدا فرمایا''۔تیسری حدیث میں ہے کہ ''اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا'' چوتھی

حدیث ہے کہ "سب سے پہلے اللہ نے لوح کو پیدا فرمایا" پانچویں حدیث ہے کہ "سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا فرمایا" اور چھٹی حدیث ہے کہ "سب سے پہلے اللہ نے عرش کو پیدا فرمایا"۔ اب ان چھ چیزوں کے بارے میں آیا ہے کہ اول ماخلق اللہ' اول ما خلق اللہ اب ظاہر ہے کہ اولیت حقیقیہ تو ان سب چیزوں سے متعلق ہو نہیں سکتی۔ وہ اولیت اضافیہ ہوگی۔ یعنی بعض سے اول اور بعض سے آخر۔ بعض سے اولیٰ' اقدام اور بعض سے متاخر۔ یہ ہوسکتا ہے تو اب یہاں پر اگر اولیت اضافیہ پر ہم محمول کرتے ہیں۔ اول تو اولیت کو اضافیہ پر حمل کرنا مجاز ہے اور مجاز کی طرف رجوع اس وقت کیا جائے گا جب حقیقت متعذر ہو اور پھر یہ کہ ان تمام چیزوں کی اولیت' تادیل پر ہمیں اس وقت مجبور کرے گی جب یہ چھ کی چھ چیزیں مختلف الذات ہوں یعنی یہ چیز پہلے یا یہ چیز پہلے ہے لیکن اگر یہ اشیاء ستہ متحد الذات ہوں تو اولیت اضافیہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کیونکہ وہ ایک ذات ہے تو اسی کے لئے اولیت حقیقی ثابت ہوگی۔ تو اب اس میں ہمارے حضرات نے تادیل کی ہے اور تادیل ایسی ہے جو کسی دلیل شرعی کے خلاف نہیں اور جب کوئی تادیل کسی دلیل شرعی کے خلاف نہ ہو بلکہ دلیل شرعی اس کی مؤید ہو تو وہ تادیل حق ہے۔

ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ سب سے پہلے جو چیز پیدا ہوئی دراصل اس کی اولیت سے اولیت حقیقیہ ہی مراد ہے اور وہ چیز جو سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ﷺ ہے (مزید تفصیل ہماری کتاب "اول الخلق ﷺ" میں ملاحظہ فرمائیں)' مگر اسی نور محمدی ﷺ کے لئے ان الفاظ کو بطور استعارہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ روح روح کی حقیقت نہیں روح تو ہے اگر روح نہ ہو تو یہاں اس کے لئے جو لفظ ہے استعارہ کیسے ہوگا' یہ مطلب نہیں کہ عرش کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر عرش کی کوئی حقیقت نہ ہو تو پھر لفظ عرش یہاں استعارہ کیسے ہوگا؟ عرش ہے' روح ہے' قلم ہے' لوح ہے' عقل ہے۔ یہ سب چیزیں ہیں اور ان کے لئے جو نام ہیں ان کے ناموں کو بغور استعارہ استعمال فرمایا گیا اور آپ جانتے ہیں کہ استعارے میں کیا ہوتا ہے' نہ تو حرف تشبیہ ہوتا ہے نہ مشبہ ہوتا ہے صرف مشبہ بہ کو ذکر کرتے ہیں اور اس کو قائم مقام کر دیتے ہیں مشبہ کا۔ استعارے میں یہی ہوتا ہے نا؟ مشبہ کا ذکر نہیں ہوتا حرف تشبیہ کا بھی ذکر نہیں ہوتا۔ صرف مشبہ بہ کا ذکر ہوتا ہے اور مشبہ بہ بول کر مشبہ مراد لیتے ہیں۔ یہ استعارہ ہوتا ہے' ٹھیک ہے؟ جیسے میں کہوں "زید کالاسد" یہ استعارہ نہیں ہے اور اگر میں کہوں زید اسد یہ استعارہ ہے کیونکہ اصل تو تھا زید کالاسد تو میں نے کاف تشبیہ کو بھی ختم کر دیا اور زید مشبہ تھا اس کو بھی ختم کر دیا' ٹھیک ہے نا؟ اور میں نے کہا۔ جاء نی اسد میرے پاس تو شیر آ گیا' حالانکہ وہ تو زید آیا تھا' آیا تو تھا زید اور میں نے کہا جاء نی اسد یا جیسے رایت اسدا میں نے شیر کو دیکھا' دیکھا تو میں نے زید کو تھا اور میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے شیر کو دیکھا' تو کیا مطلب؟ میں نے مشبہ کا ذکر نہیں کیا' حرف تشبیہ کا ذکر نہیں کیا' صرف مشبہ بہ کا لفظ بولا اور اس سے مراد شبہ لیا۔ تو اب میں عرض کروں گا حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر مشبہ ہے نور محمدی ﷺ اور اس نور محمدی ﷺ کو تشبیہ دی گئی ہے کہیں عقل سے' کہیں روح سے' کہیں قلم سے' کہیں عرش سے۔ آپ سمجھ گئے؟ اور حرف تشبیہ کو بھی ذکر نہیں کیا اور مشبہ کو بھی ذکر نہیں کیا۔ شبہ بہ کا ذکر فرمایا اور مشبہ مراد لیا۔

اب تشبیہ کی کوئی تفصیل بھی تو ہونی چاہئے۔ تفصیل یہ ہے کہ روح کی جو صفت غالبہ ہے وہ ہے حیات اور عرش کی وہ صفت ہے' بلندی اور عظمت۔ دراصل اس صفت عظمت اور اس صفت بلندی میں اور محمدی ﷺ مشابہ ہے عرش کے۔ تو اب مشبہ نور محمدی ﷺ حرف تشبیہ کاف اور مشبہ بہ عرش۔ تو مشبہ کا بھی ذکر نہ فرمایا' حرف تشبیہ کا بھی ذکر نہ فرمایا۔ صرف مشبہ بہ ذکر کیا اور مراد لیا مشبہ' کیا مطلب؟ وہ عرش کیا ہے؟ وہ نور محمدی ﷺ ہے۔ یعنی نور محمد ﷺ اپنی عظمتوں اور بلندی میں' عرش کی مانند ہے۔ تو اب عرش سے مراد بھی نور محمدی ہے' ٹھیک ہے نا؟ اور روح سے مراد بھی

تخلیق انسان

نور محمدی ﷺ اور عقل سے مراد بھی نور محمدی ﷺ۔ اب رہا قلم اور لوح۔ یہاں بھی نور محمدی ﷺ کو تشبیہ دی گئی ہے' قلم اور لوح کے ساتھ' کس طرح؟ کہ لوح ایک صفت ہے خاص اور قلم کی بھی ایک صفت ہے خاص' مگر دونوں صفتیں ایسی ہیں کہ ایک دوسرے کی مقابل نہیں۔ لوح کی صفت خاصہ ہے انفعال اور قلم کی صفت خاصہ ہے افعالم افعال کے معنی ہیں اثر دینا اور انفعال کے معنی ہیں اثر لینا' ٹھیک ہے نا؟ اور روح سے مراد بھی نور محمدی ﷺ اور عقل سے مراد بھی نور محمدی ﷺ۔ اب رہا قلم اور لوح۔ یہاں بھی نور محمدی ﷺ کو تشبیہ دی گئی ہے' قلم اور لوح کے ساتھ' کس طرح؟ کہ لوح ایک صفت ہے خاص اور قلم کی بھی ایک صفت ہے خاص' مگر دونوں صفتیں ایسی ہیں کہ ایک دوسرے کی مقابل نہیں۔ لوح کی صفت خاصہ ہے انفعال اور قلم کی صفت خاصہ ہے افعال۔ افعال کے معنی ہیں اثر دینا اور انفعال کے معنی ہیں اثر لینا' ٹھیک ہے نا؟ آپ تختی پر لکھنے بیٹھے' آپ نے لکھا الف' ب' ت' ٹ' ج تو اب کیا کر رہے ہیں/ اس تختی کو آپ نقش کی صورت دیتے چلے جا رہے ہیں۔ الف کا نقش اس کو دیا اس نے قبول کر لیا' ب کا نقش لوح کو دیا اس نے قبول کر لیا' ت کا نقش آپ نے اس لوح کو دیا اس نے قبول کر لیا تو جو نقش آپ دیتے جاتے ہیں لوح اس کو قبول کرتی جاتی ہے۔ یہ قبول کرنا' یہ ہے تاثر اور اسی کو کہتے ہیں انفعال۔ انفعال کے کیا معنی ہیں؟ کسی کے دیئے ہوئے اثر کو قبول کر لینا اور کسی کے اثر کو لے لینا۔ آپ نے حروف کے جو نقوش اس کو دے دیئے۔ ''الف'' سے ''ی'' تک تو وہ لوح تمام نقش لیتی چلے گئی اور تختی پر آپ نے ''الف'' سے ''ی'' تک جب لکھا تو اب دیکھنے والا دیکھ رہا ہے کہ اس میں ''الف'' لکھی ہے۔ ''ب'' لکھی ہے ''ی'' تک تمام حروف لکھے ہیں۔ تو اب یہ اس تختی پر تمام حروف کا ہونا' یہ ہے صفت انفعالم لیکن ان نقوش کا دینا یہ ہے افعال اور یہ کام ہے قلم کا کہ قلم نقش دیتا ہے' اگر قلم نہ ہو تو کوئی چیز قلم کے قائم مقام ہو گی۔ چلو انگلی سے آپ لکھ دیں تو انگلی قلم کے قائم مقام ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قلم کا کار ہے نقش دینا اور لوح کا کام ہے نقش لینا۔ نقش دینا افعال ہے نقش لینا انفعال ہے۔ تو پتہ چلا کہ قلم کی خاص صفت ہے' افعال اور لوح کی خاص صفت ہے انفعال۔ تو اب افعال میں نور محمدی ﷺ کو تشبیہ دی قلم سے اور صفت انفعال میں رحمت دو جہاں ﷺ کے نور کو تشبیہ دی لوح کے ساتھ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ وہ جب بارگاہ الوہیت میں حاضر ہوتے ہیں تو لوح عبدیت بن جاتے ہیں اور جو نقش ملتا ہے اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ اللہ یعطی اللہ کی ہر عطا کو محبوب کریم ﷺ قبول فرماتے ہیں۔ جیسے کہ ہر نقش کو لوح قبول کرتی ہے تو اللہ کی ہر عطا کو محبوب کریم ﷺ قبول فرماتے ہیں' تو حضور ﷺ لوح عبدیت ہیں۔ اب نور محمدی ﷺ مشبہ تھا اور لوح تھی مشبہ بہ اور کاف تھا حرف تشبیہ تو کاف کو بھی ذکر نہیں کیا اور نور محمدی ﷺ جو مشبہ ہے اس کو بھی ذکر نہیں کیا' مشبہ بہ کو ذکر کیا اور مراد مشبہ کیا اور یہی استعارے کا مفہوم ہے۔ تو پتہ چلا کہ لوح بھی نور محمدی ﷺ ہے اور قلم بھی نور محمدی ﷺ ہے۔ مگر یہ افعال اور انفعال کی صفتوں کا ظہور جو نور محمدی ﷺ ہو گا وہ اس طرح ہو گا کہ جب محبوب کریم ﷺ کی بارگاہ میں جائیں گے تو لوح عبدیت بن کر صفت انفعال کا ظہور ہو گا اور جب مخلوق کی طرف آئیں گے تو قلم بن کر ان کو اثرات اور فیوض و برکات عطا فرمائیں گے' قلم کا کام ہے دینا لوح کا کام ہے لینا۔ اللہ کریم کی بارگاہ میں گئے تو لے لیا اور بندوں کے پاس آئے تو دے دیا۔ اللہ یعطی و انما انا قاسم میرا لینا یہ لوح کا مفہوم ہے اور دینا یہ قلم کا مفہوم ہے تو لوح بھی میں ہوں قلم بھی میں ہوں' عظمت و بلندی میں عرش بھی میں ہوں' مرکز حیات میں' روح بھی میں ہوں اور ادراک کلیات و جزئیات میں عقل بھی میں ہوں' مبداء انکشاف ہونے میں نور بھی میں ہوں' کیونکہ نور جو ہوتا ہے وہ مبدا انکشاف ہے یعنی کسی چیز کا انکشاف نور کے بغیر ہوتا نہیں۔ نور سے انکشاف ہوتا ہے' اب فرض کیجئے مبصرات ہیں۔ دیکھنے کی چیزیں' اب کسی صورت کا کشف کسی پر' کسی چیز پر ہو گا؟ نور باصرہ سے ہو گا تو نور باصرہ مبدا ہے

انکشاف مبصرہ کا۔ اگر کسی کے اندر نور سامعہ ہے تو جب کوئی آواز بولے گی تو نور سامعہ پر اس کا انکشاف ہوگا۔ نور باصرہ پر نہیں ہوگا' یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص نابینا ہے مگر قوت سامعہ ہے تو کسی صورت کا انکشاف تو اس پر نہیں ہوگا' مبصرات کا انکشاف اس پر ہو جائے گا۔ کیونکہ نور سمع وہاں موجود ہے تو اور ہمیشہ مبداء انکشاف ہوتا ہے' جی ہاں۔ جو چیز آپ کھاتے ہیں اس کا کوئی مزا ہوتا ہے' کڑوا ہے' میٹھا ہے' کھٹا ہے' پھیکا ہے۔ تو جب آپ زبان پر رکھیں گے تو اس کا مزا آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ زبان کے اندر قوت ذائقہ ہے اور قوت ذائقہ کیا ہے؟ وہ ایک نور ہے' وہ نور کیسا ہے؟ جس سے قوت ذائقہ کے انکشاف کی ابتداء اس پر ہوتی ہے۔ اگر آپ ہاتھ لگا کر دیکھیں تو کڑواہٹ کا پتہ نہیں چلے گا' آپ انگلی لگا کر دیکھیں تو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ چیز کھٹی ہے' لیکن جب زبان پر رکھیں تو پتہ چلے گا یہ چیز کھٹی ہے۔ معلوم ہوا کہ اس صفت ذوق کا جو انکشاف ہے اس کا مبدا ''نور'' ہے جس کو ہم ذائقہ کہتے ہیں۔ اسی طرح لمس ہے کسی چیز کا کھدرہ ہونا یا کسی چیز کا چکنا ہونا' کسی چیز کا گرم ہونا یا سرد ہونا' تو تمام بدن میں اللہ تعالیٰ نے قوت لامسہ کو پھیلا دیا ہے تو جب ہمارے بدن سے وہ چیز لگے گی تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا کہ ہمیں پتہ چلے گا کہ یہ چیز گرم ہے یا ٹھنڈی ہے یا چیز کھردری ہے یا چیز چکنی ہے تو یہ قوت لامسہ بھی ایک نور ہے اور وہ ملموسات کے لئے مبداء انکشاف ہے۔ اسی طرح عقل بھی ایک نور ہے اور وہ تمام معقولات کے لئے مبداء انکشاف ہے۔ تمام حواس نور ہیں اسی لئے کہتے ہیں یہ نور بصر کا حادثہ ہے۔ یہ نور سمع کا حادثہ ہے۔ یہ نور ذوق کا حادثہ ہے' یہ نور شم کا حادثہ ہے۔ اب دیکھئے نور شم سونگھنے کی ایک قوت ہے وہ بھی ایک نور ہے اور ہر خوشبو اور بدبو جس کا انکشاف ہوگا تو نہ باصرہ پر ہوگا نہ سامعہ پر ہوگا نہ لامسہ پر ہوگا۔ ذائقہ پر ہوگا بلکہ شامہ پر ہوگا کیونکہ شامہ ایک ایسی قوت ہے جو نور ہے اور اس پر انکشاف ہوتا ہے ہر خوشبو کی چیز کا اور ہر بدبو کی چیز کا۔ تو پتہ چلا کہ نور ہے مبداء انکشاف۔ تو محبوب کریم ﷺ نے فرمایا کہ اول مـا خـلـق الـلـه نوری یوں کہئے کہ ہر حقیقت کے انکشاف کا مبداء ذات محمدی ﷺ اور سب سے پہلا جو مبداء ہے وہ ہے وجود' کیونکہ عدم اصل ہے اور وجود فرع ہے اور جب انکشاف ہوگا تو وجود سامنے آئے گا۔ معلوم ہوا وجود کائنات کا مبداء محمد رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ نور مبداء انکشاف ہے۔ اسی لئے نور کو وجود سے بھی تعبیر کیا گیا ہے تو میں عرض کر رہا تھا کہ اول مـا خلق الله نوری کا مفہوم یہ ہے تمام عالم حقائق اور تمام مکونات اور موجودات اور مخلوقات کے وجود کا مبداء میں ہوں۔ میں نہ تھا تو کوئی موجود نہ تھا' میں ہوا تو سب ہو گئے اور اول مـا خـلـق الـلـه نوری۔ تو یہ بات ہمارے سامنے آ گئی کیا؟ یہ تمام چیزیں نور محمدی ﷺ کی طرف راجع ہیں۔ تو اب ذوات متغایرہ نہ رہیں۔ اس لئے ذوات کا اتحاد ثابت ہو گیا' تو جب اتحاد ہو گیا تو اولیت حقیقیہ ہو گی اور جب اولیت حقیقیہ ہو گئی تو اب پتہ یہ چلا کہ جس کو ہم عقل کہہ رہے تھے وہ نور محمدی ﷺ ہی ہے' کوئی غیر نہیں ہے۔ تو انـا عـرضـنـا الامانة على السموات (الی آخرہ) تو جس امانت کو میں نے عقل سے تعبیر کیا وہ امانت ایسی ہے کہ اس امانت کے اٹھانے سے ہی وہ اشرف المخلوقات قرار پایا۔ تو پتہ چلا کہ انسان کا اشرف المخلوقات قرار پانا اس لئے ہے کہ وہ اپنی فطرت اور طبیعت خلقی کی بنا پر جسمانی خلقت کی بنا پر ظلم اور جہل میں مبتلا تھا۔ تو ظلم اور جہل سے اس کو نکالا' تو عقل کا جوہر دے کر نکالا' اور وہ عقل کیا ہے؟ نور محمدی ﷺ ہے۔ تو پتہ چلا کہ نور محمدی ﷺ نے ہم کو ظلم سے نکالا اور نور محمدی ﷺ نے ہم کو جہل سے نکالا اور نور محمدی ﷺ نے ہم کو پستیوں سے نکالا اور نور محمدی ﷺ نے ہم کو بلندیوں پر پہنچایا۔

واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

امیدوار شفاعت محبوب کریم ﷺ حافظ محمد زمان خان چشتی سیالوی

انگلیاں میری ہیں اور ان میں قلم ہے تیرا   ہاتھ میرا ہے مگر اس پر کرم ہے تیرا

چیف آرگنائزر بزم عشاق

حضرت علامہ حافظ محمد زمان خان چشتی سیالوی کی عالمانہ 'عارفانہ' عاشقانہ چند تحریریں

معجزات محبوب ﷺ	اسلاف کا جذبہ ایثار	وسیلتنا فی الدارین
عشق کی باتیں	اسلاف کا اخلاق	وبالوالدین احسنا
عشق است امام من	اسلاف کا شوق علم	بخشش کے بہانے
حقیقت انساں	شمس الضحیٰ	عاشقانہ تقریریں
دیوان عشق	صاحب الجود والکرم	عشق خیر الوریٰ ﷺ
راحت جاں ﷺ	اسلام میں دل جوئی کا مقام	پیام محبت
پیکر حسن وجمال	اسلام میں دل شکنی جائز نہیں	وہ مصور کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے
پیکر جمال وکمال	کیا حضور اکرم ﷺ کے وسیلہ سے مانگنا جائز ہے؟	اہل دل
نور الھدیٰ	جب بھی مانگو حضور ﷺ کے وسیلہ سے مانگو	آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
عجب چیز ہے لذت آشنائی	وسیلہ محبوب ﷺ	تجھے اہل ایماں سلام کہتے ہیں

ادارہ نجم الھدیٰ جامع مسجد عمر رضی اللہ عنہ
پٹھان والا جھنگ روڈ فیصل آباد